R. No. 2186/57 — Regd. No. L. 922

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

# ہماری زبان

Date 1-8-15-327

Phone—29
Annual Rs. 5/-
per Copy-15 P.

جلد ۲۷ - شمارہ ۱۰ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | ۸ مارچ ۱۹۶۸ء

اداریہ

## اردو گھر کی تعمیر کے لیے چندہ

مجلس عاملہ نے یہ طے کیا ہے کہ دہلی میں انجمن کی عمارت کا نام "اردو گھر" ہوگا۔ اس کا سنگ بنیاد شریمتی اندرا گاندھی وزیر اعظم ہند کے ہاتھوں رکھا جائے گا۔

گذشتہ اشاعت میں ہم نے یہ اطلاع دی تھی کہ عمارت کی تکمیل کے لیے ساڑھے سات لاکھ کی لاگت کا اندازہ کیا گیا ہے۔ انجمن کے پاس اس غرض سے ڈیڑھ لاکھ کے قریب سرمایہ محفوظ ہے۔ اس طرح چھ لاکھ روپے کے لیے عوام اور حکومت کے تعاون کی ضرورت ہے۔

ہم نے یہ بھی اعلان کیا تھا کہ ایک ایک ہزار، سو سو روپے، دس دس روپے اور ایک ایک روپے کی رسیدیں تیار ہو رہی ہیں جو عنقریب مجلس عام کے ممبران اور ریاستی شاخوں کے پاس بھیجی جائیں گی۔ تمام چندوں کا اعلان ہماری زبان میں برابر ہوتا رہے گا۔ چندے کا حساب باقاعدہ رکھنے کے لیے خاص انتظام کیا جا رہا ہے، اس لیے کسی قسم کی گڑبڑ کا اندیشہ نہیں ہے۔ چندہ جمع کرنے کے لیے مجلس عام کے ممبروں کو اور ریاستی شاخوں کے ذریعہ سے مقامی شاخوں کو ذمہ دار قرار دیا جائے گا۔ کسی ایسے شخص کو چندہ جمع کرنے کا اختیار نہ ہوگا جسے باقاعدہ یہ کام نہ سپرد کیا گیا ہو۔ ہر رسید پر جنرل سکریٹری کے دستخط ضرور ہوں گے۔ اس کے علاوہ ان کارکنوں کے جن کے ذریعہ سے چندہ جمع کیا جائے گا مرکزی دفتر سے ایک اور رسید بھی ہر چندہ دینے والے کو بھیجی جائے گی۔

چندہ جمع کرنے کے لیے دہلی، بمبئی اور حیدرآباد میں خاص تہذیبی پروگرام ہوں گے جن کے لیے علیحدہ انتظامات ہوں گے، لیکن اس سلسلے میں سب سے زیادہ توقع ہمیں اپنی شاخوں سے ہے۔ اس وقت انجمن کی چھوٹی بڑی چار سو شاخیں سارے ملک میں ہیں۔ اگر بڑی شاخیں ایک ہزار اور چھوٹی پانچ سو بھی جمع کریں تو چار لاکھ آسانی سے فراہم ہو سکتے ہیں۔ ہمیں موجودہ حالات کی تنگی، گرانی اور عام مشکلات کا احساس ہے۔ مگر انجمن کا دفتر روز روز تو بنے گا نہیں اور اردو زبان و ادب کی حفاظت کا کام بہر حال کرنا ہے اور عرصۂ دراز تک کرنا ہے، اس لیے دفتر کی تعمیر کے لیے روپیہ کی ضرورت ہے۔ اگر معاملہ صرف حکومت کی توجہ یا وزیروں کے اشارے کا ہوتا تو پبلک جیسا کہ ہم آٹھ دس لاکھ آسانی سے جمع کر سکتے تھے مگر ہمیں تو سب سے زیادہ عام اردو دوستوں کی تائید اور ہمدردی اور سرپرستی کی ضرورت ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اردو گھر میں سب سے زیادہ انھیں کا عطیہ ہو۔ حکومت کی امداد کو بھی ہم اپنا حق سمجھتے ہیں اور اس کے لیے پوری کوشش کریں گے۔ ان لوگوں کے پاس بھی جائیں گے جو رفاہ عام کے کاموں میں دل کھول کر امداد کرتے ہیں مگر ہمیں تو سب سے زیادہ عام اردو دوستوں کی مدد کی ضرورت ہے۔ اس عمارت کی تعمیر میں جتنا ان کا حصہ زیادہ ہوگا اتنا ہی انجمن کا عوام سے تعلق مضبوط ہوگا اور اتنا ہی انجمن کا عوامی کردار ہوگا۔ اردو زبان پر نہ کسی مذہبی جماعت کا اجارہ ہے نہ کسی خاص علاقے کے بسنے والوں کا۔ یہ ہندوستان کی ایک قومی زبان ہے اور بڑی حد تک سارے ملک میں بولی اور سمجھی جاتی ہے گو دہلی، اتر پردیش، پنجاب، بہار، مدھیہ پردیش، راجستھان، آندھرا، مہاراشٹر سے اس کا تعلق زیادہ گہرا ہے مگر ہندوستان کی ہر ریاست میں اس کے بولنے والے موجود ہیں یہاں تک کہ ناگالینڈ میں بھی۔

آیئے ہم اردو گھر کی ایسی شاندار عمارت بنائیں کہ اردو کی شان دوبالا ہو اور یہ زبان، رہتی دنیا تک ملک و قوم اور انسانیت کی خدمت کر سکے۔

وفاداری ہی شیخ و برہمن کی آزمائش ہے

---

## بچوں کے ادب سے متعلق مقابلہ میں اطہر پرویز کو انعام

نئی دہلی: مرکزی وزارت تعلیم نے بچوں کے ادب سے متعلق تیرھویں انعامی مقابلہ میں شعبہ اردو مسلم یونیورسٹی کے استاد اطہر پرویز کے تصنیف کردہ قلمی نسخے بعنوان "ہمارا ہندوستان" کو ایک ہزار روپے بطور انعام دینے کے لیے منتخب کیا ہے۔ وزارت نے جدید ہندوستانی زبانوں کی کل پندرہ کتابوں اور قلمی نسخوں کو منتخب کیا ہے جن میں سے ہر ایک کو ایک ہزار روپے کی رقم بطور انعام دی جائے گی۔

(الجمعیۃ دہلی)

## بی بی سی سے اردو پروگرام بھی نشر ہوگا

شیفیلڈ (انگلینڈ) ۱۹ر فروری مقامی بی بی سی ریڈیو نے ہر ہفتے ۱۵ منٹ کا اردو پروگرام شروع کرنے کا پروگرام بنایا ہے۔ جس میں خبریں، مکالمے، بحث مباحثے بھی ہوں گے۔ یہ پروگرام ہر پیر کی شام کو نشر ہوا کرے گا۔

## ملیالم کے خط کی اصلاح

ترویندرم۔ ایک سرکاری کمیٹی نے سفارش کی ہے کہ ملیالم زبان کے ۵۰۰ حروف میں ۵۰ فی صدی کمی کردی جائے حکومت کیرالا نے یہ کمیٹی رسم الخط اور حروف تہجی میں آسانی کی غرض سے اصلاح کی سفارش کے لیے مقرر کی تھی۔ کمیٹی نے جو فارمولا بنایا ہے اس کے ذریعے بہت سے مرکب حروف ختم کردیے جائیں گے تاکہ رسم الخط آسان ہو جائے۔ (یو این آئی)

## اردو صحافی مولانا عبدالباقی کی وفات

یہ خبر انتہائی رنج و افسوس سے سنی جائے گی کہ مولانا عبدالباقی، مالک و مدیر ہفت روزہ "کاروانِ وطن" دہلی ۳ر فروری کو دلی میں انتقال کر گئے۔ مرحوم کم و بیش ۵۰ سال سے میدان صحافت میں تھے انھوں نے اپنی صحافتی زندگی کی ابتدا مولانا ظفر علی خاں کے اخبار "زمیندار" سے لاہور میں کی تھی۔ مرحوم اردو ہی کے نہیں بلکہ انگریزی کے بھی اچھے صحافی تھے۔ ادارہ ان کے پسماندگان کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

(ادارہ)

## ایک اردو دوست کا انتقال

سابق نائب وزیر مرکزی محکمہ نشریات و اطلاعات لالہ شیام نند کا ۱ر مارچ کو بمبئی میں انتقال ہوگیا۔ لالہ صاحب ہندو مسلم اتحاد کے لیے برابر کوشاں رہتے تھے اور اردو کی خدمت کو اپنا فرض سمجھتے تھے مرحوم ۱۹۵۰ء میں انجمن ترقی اردو کی سالانہ کانفرنس کے خازن بھی رہ چکے تھے۔ ادارہ اس سانحہ پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتا ہے۔

## حیاتِ نو

بسمل رتلامی

شاخِ گل پر جو کسی پھول کو ہنستے دیکھا<br>
یک بیک<br>
جاگ اٹھا<br>
دل میں شعورِ ماضی<br>
پردۂ ذہن پہ<br>
ابھرا وہی عکسِ زریں<br>
جگمگا اٹھی<br>
نظر میں<br>
وہی تنویرِ جمال<br>
اور میں کھو گیا<br>
ماضی کے شبستانوں میں<br>
چند لمحوں کے لیے مل گئی پھر مجھ کو حیات<br>
اور میں<br>
ہوگیا<br>
آسودۂ انوارِ نظر<br>
جیسے<br>
آئینہ میں<br>
تنویرِ تجلی چمکے

## غیر ملکی زبانوں میں کتابوں کے تراجم کے بارے میں یونیسکو کے اعداد و شمار

ماسکو، ۱۰ر مارچ۔ یونیسکو کے اعداد و شمار کے مطابق غیر ملکی زبانوں کی تصانیف کے تراجم کی اشاعت کرنے والے ممالک میں سوویت یونین سب سے آگے ہے۔ اسی طرح ترجمہ شدہ تصانیف کی تعداد کے اعتبار سے وی۔ آئی۔ لینن کو دنیا کے مصنفین میں اوّل مقام حاصل ہے۔ سوویت یونین میں ۱۹۶۶ء میں سماجی، سیاسی، سائنسی اور تکنیکی ادب و داستانوں کی لگ بھگ ۴ ہزار جلدیں شایع کی گئی ہیں۔ اسی سال کے دوران دیگر ممالک میں لینن کی ۲۰۰ تصانیف کا ترجمہ کیا گیا۔ یہ اعداد و شمار یونیسکو کے شایع کردہ ایک کتابچہ میں شامل ہیں۔ جس میں تراجم کے بارے میں معلومات پیش کی گئی ہیں۔ اس کے مطابق ۱۹۶۶ء کے دوران ستر ممالک میں شایع شدہ تراجم کی تعداد ۳۹ ہزار ۲۳۰ ہے۔ (تاس)

## علمی مجلس دلی کی مطبوعات

ابھی حال ہی میں علمی مجلس دلی کے زیر اہتمام اردو کی دو کتابیں شایع ہوئی ہیں جن میں کلیاتِ تمیر (حصہ اوّل) اور کلیاتِ مصحفی شامل ہیں۔ کلیات تمیر کے مرتب ظل عباس عباسی ہیں۔ اور پیش لفظ پروفیسر آل احمد سرور نے تحریر فرمایا ہے۔ یہ کلیات نسخۂ فورٹ ولیم کالج مطبوعہ ۱۸۱۱ء سے مقابلہ و تصحیح کے بعد تیار کیا گیا ہے۔

دوسری کتاب کلیاتِ مصحفی (حصہ دوم) مشتمل بر دیوان دوم کو نثار احمد فاروقی نے مرتب کیا ہے۔ احمد کے علاوہ مصحفی کی تمام تصانیف نظم و نثر کا سیٹ بارہ جلدوں میں مکمل کیا جا رہا ہے۔ یہ کتابیں انجمن اردو ہند علی گڑھ سے مل سکتی ہیں۔

## انجمن اساتذہ اردو کی تیسری کل ہند کانفرنس

علی گڑھ۔ انجمن اساتذہ اردو کی تیسری کل ہند کانفرنس جو جنوری ۱۹۶۸ء کے آخری ہفتہ میں ہونے والی تھی بعض اراکین کی تجویز پر اب اکتوبر ۱۹۶۸ء میں ہوگی صحیح تاریخ کا اعلان جلد ہی کیا جائے گا۔

(خلیل الرحمٰن اعظمی، آنریری سکریٹری<br>
انجمن اساتذہ اردو تیسری کل ہند کانفرنس علی گڑھ)

عنایت حسین عیدن

# ماریشس میں اردو

جزیرہ مڈغاسکر کے قریب ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے جس کا نام ماریشس ہے۔ آج کل انگریزوں کے قبضے میں ہے۔ اس مہینے میں آزاد ہو جائے گا۔ اس جزیرے کے اپنے باشندے نہ تھے۔ یہاں اب سے کئی سو سال پہلے دوسرے ملکوں سے لوگ یہاں آکر بس گئے تھے۔ اسی لیے اس جزیرے کے تقریباً سات لاکھ باشندوں میں یورپین، چینی، افریقی اور ہندوستانی نسل کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ یہاں کی سرکاری زبان انگریزی ہے لیکن فرانسیسی زبان کا انگریزی کے مقابلے میں زیادہ اثر ہے۔ فرانسیسی زبان عام طور پر بولی جاتی ہے۔ اخبار بھی اسی زبان میں چھپتے ہیں۔ ریڈیو کا پروگرام بھی فرانسیسی میں ہوتا ہے۔ البتہ تعلیم انگریزی اور فرانسیسی دونوں زبانوں میں دی جاتی ہے۔ فرانسیسی کے ساتھ ایک مقامی زبان بھی وجود میں آگئی ہے جسے کریول (CREOLE) کہتے ہیں۔ یہ زبان فرانسیسی کی ایک بگڑی ہوئی شکل ہے جس کو عام لوگ بولتے ہیں۔ دیہات میں بسنے والے ہندوستانی نسل کے باشندے ایک ہندوستانی بولی بولتے ہیں جو بھوجپوری بولی سے کچھ کچھ ملتی جلتی ہے گو کہ اس میں فرانسیسی زبان کے بہت سے الفاظ آگئے ہیں۔ ان لوگوں میں کم لوگ ایسے ہیں جو اردو یا ہندی پڑھ یا لکھ سکتے ہیں۔ عام طور پر اردو یا ہندی پڑھنے والے وہی لوگ ہوتے ہیں جو تبلیغی کام کرتے ہیں۔ ہندوؤں کے مذہبی رہنما سنسکرت کے ساتھ کچھ کچھ ہندی کی بھی واقفیت رکھتے ہیں اور مسلمانوں کے مولوی ہوتے ہیں، جو عربی پڑھ تو لیتے ہیں لیکن اسے سمجھ نہیں سکتے۔ یہ لوگ عربی کے ساتھ اردو بھی پڑھ سکتے ہیں۔

ماریشس میں اردو کی تاریخ بہت قدیم نہیں ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بیسویں صدی کے آغاز سے اردو کی ترقی شروع ہوئی ہے۔ وہاں کی مسجدوں میں امامت کے لیے ہندوستان سے مولوی لوگ بلائے جاتے تھے اور یہاں اردو کا فروغ انہی کا مرہون منت ہے۔ ان کی صحبت میں بیٹھ کر ہندوستانی لوگ بھی اردو سیکھ لیتے تھے اور وہ کہیں دوسری جگہ جا کر امامت کرنے کے ساتھ ساتھ کچھ بچوں کو اردو بھی سکھاتے تھے۔ آج بھی مسجدوں میں بعض اوقات اردو پڑھائی جاتی ہے حالانکہ اکثر لوگ زیادہ تر عربی پڑھتے پڑھاتے ہیں۔ ماریشس میں بھی پہلے پہل داستان گوئی ایک بڑا دلچسپ مشغلہ تھا۔ الف لیلیٰ، داستان امیر حمزہ، قصۂ حاتم طائی اور باغ و بہار یہاں اکثر گھروں میں پائی جاتی ہیں۔ رفتہ رفتہ اردو سیکھنا اور پڑھنا مقدس کام بن گیا اور دھیرے دھیرے اردو نے ایک اچھی پوزیشن حاصل کر لی۔ یہاں حقیقت یہ تھی کہ صحیح اردو پڑھانے والا کوئی نہ تھا۔ بچوں کو صرف اردو پڑھائی جاتی تھی لیکن وہ ایک لفظ بھی نہیں لکھ سکتے تھے۔ اردو کے صرف و نحو سے بھی واقف نہیں ہوتے تھے۔ بس کسی طرح اردو پڑھ لیتے تھے۔ اردو کو اس حد تک مقدس مانا جاتا تھا کہ جب کسی مسلمان کو کاغذ مل جاتا تھا جس میں اردو لکھی ہوتی تھی تو وہ اسے جلا دیا کرتا تھا یا اسے کسی کونے میں محفوظ کر دیتا تھا تاکہ یہ کاغذ کسی کے پیر کے نیچے نہ آئے۔ اردو سیکھنے کا مقصد یہ تھا کہ مجلس[1] یا مولود[2] پڑھی جا سکیں۔ اردو کتابیں مشکل سے ملتی تھیں اور جو کتابیں ملتی بھی تھیں وہ صرف مذہبی نوعیت کی تھیں۔

ماریشس میں مولانا حکیم عبداللہ رشید نواب رشدی کی آمد اردو کے لیے نہایت مفید ثابت ہوئی۔ جب انھوں نے دیکھا کہ ماریشس کے لوگ اردو سے بڑا لگاؤ رکھتے ہیں تو انھوں نے اردو پڑھانے کا بہتر طریقہ اختیار کیا۔ مولانا رشید ماریشس کی جامع مسجد کے امام تھے اور امامت چھوڑ کر انھوں نے مسلمانوں کی تعلیم کی جانب اپنی بقیہ زندگی گزاری۔ وہ عالم تھے اور شاعر بھی۔ رشید تخلص فرماتے تھے۔ سیماب اکبرآبادی سے ان کی گہری دوستی تھی۔ سیماب کے مشہور نظم کے جواب میں مولانا رشید نے ایک نظم شہاب ثاقب لکھی جو انتظامی پریس حیدرآباد دکن سے شائع ہوئی ہے۔ اس نظم میں آدم کی تخلیق کے راز اور ابلیس کی حرکات کی حقیقت پر نہایت واضح روشنی ڈالی گئی ہے۔ ان کی دوسری نظم فلسفۂ زندگی بھی شائع ہوئی۔ مولانا رشید چاہتے تھے کہ اردو مسلمانوں کی قومی زبان ہو۔ پہلے انھوں نے خود اردو پڑھانا شروع کیا۔ ان کی محنت سے چند نوجوانوں نے اردو اور عربی میں کافی مہارت حاصل کر لی جن میں جناب شوکت علی رامدو بھی ہیں جو اپنے استاد کے نقش قدم پر چلنے کی پوری کوشش کر رہے ہیں۔ آج بھی وہ مسلم ہائی اسکول میں پڑھاتے ہیں۔ یہ وہی اسکول ہے جسے عبداللہ رشید نے قائم کیا تھا جو اب مسلم ہائی اسکول کے نام سے مشہور ہے۔ اس اسکول میں دینیات کے ساتھ ساتھ اردو پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ مولانا نے خود طلبہ کے لیے چند کتابیں لکھیں اور اردو کے لیے ان کتابوں کو استعمال کرنے لگے جو ان دنوں ہندوستان کے اسکولوں میں رائج تھیں۔ اردو شاعری پر بھی انھوں نے زور دیا۔ ان کے ذریعہ ماریشس میں اقبال کی مقبولیت بڑھی۔ ان کی حسرت باقی رہ گئی کہ ماریشس میں ایک پریس قائم ہو جائے۔ ادھر مسلم ہائی اسکول روز بروز ترقی کرتا گیا اور ادھر مولانا کی بدولت ماریشس میں جگہ جگہ مکتب کھولے جانے لگے جہاں عربی اردو یکساں طور پر پڑھائی جانے لگی۔ ہندوستان اور پاکستان کے رسالے اور کتابیں آنے لگیں۔ عوام میں اردو سیکھنے کا ایک جذبہ پیدا ہو گیا جو روز بروز بڑھتا گیا۔ مولانا صاحب کی کوششوں اور محنت کا پھل تو صحیح معنوں میں اس وقت ملا جب حکومت نے پرائمری اسکولوں میں اردو کی پڑھائی شروع کی۔ ۱۹۵۴ء سے اردو اور ہندی کی تعلیم پرائمری اسکولوں میں شروع ہوئی۔ ہندوستان کے جناب رام پرکاش نے اردو اور ہندی دونوں کی ترقی کے لیے بہت محنت کی۔ ابتدائی دور میں انھوں نے ایسی درسی کتابیں نصاب میں شامل کیں جو ہندوستان کے اسکولوں کے نصاب میں ہوتی تھیں۔ کچھ دنوں کے بعد انھوں نے ہندی میں خود کتابیں تیار کیں لیکن اردو کے لیے پاکستانی کتابوں کو نصاب میں شامل کر دیا۔ اردو کی پڑھائی میں ترقی ہوتی گئی اور آج ماریشس کے ہر اسکول میں اردو پڑھانے کے لیے ایک مدرس ہے۔

ریڈیو اور ٹیلیویژن نے بھی اردو سیکھنے کی طرف رجحان پیدا کر دیا۔ ریڈیو میں ہفتہ میں ایک ہندوستانی پروگرام ہوتا تھا جس میں مختلف چیزیں نشر کی جاتی تھیں۔ پروگرام "ہندوستانی" زبان میں ہوتا تھا یعنی بعض وقت اردو اور بعض وقت ہندی میں۔ ہندوستانی فلمی گانے اور ہندوستانی فلموں کے ذریعہ لوگ اردو زیادہ سمجھنے لگے اور اب ریڈیو کا پروگرام چار گھنٹے کا ہو گیا ہے اور ٹیلیویژن (TELEVISION) میں ہفتے میں دو مرتبہ ہندوستانی پروگرام ہوتا ہے۔

۱۹۵۹ء میں جناب قنڈن بی اے کی مدد سے جامعہ اردو علی گڑھ کا ایک مرکز ماریشس میں قائم کیا گیا۔ قنڈن صاحب جامعہ اردو کے سپرنٹنڈنٹ ہیں۔ انھوں نے برنانڈیں دے سین پیئر (BERNANDIN DE ST PIERRE) کے ناول پال اے ورجینی (PAULEL VIRGINIE) کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔

(باقی صفحہ ۹ کالم ۲ پر)

---

[1] مجلس: یہ قصیدوں پر پڑھی جاتی ہیں جن محرم کے مہینے میں ربیع الاول اور ربیع الآخر کے مہینے میں ان مجلسوں میں شہدائے کربلا، پیغمبر اسلام اور عبدالقادر جیلانی کی شان میں قصیدے پڑھے جاتے ہیں۔

[2] مولود میں حضرت محمد کی شان میں نعتیں پڑھی جاتی ہیں۔

دیویندر پرشاد سکسینہ

# سیماب اکبرآبادی اور مرزا داغ دہلوی

میں مولانا سیماب مرحوم کا ہمیشہ سے احترام بہت کرتا ہوں اور ان کو اردو کے قابل ذکر اساتذہ سخن میں شمار کرتا ہوں۔ میرا ایک مضمون پنڈت تربھون ناتھ زتشی زار دہلوی ۸ نومبر ۱۹۶۶ء کے ہماری زبان میں شائع ہوا ہے اس میں میں نے یہ لکھ دیا تھا کہ سیماب اکبرآبادی اور جگر مرادآبادی داغ کے شاگرد نہیں تھے اس ایک معمولی فقرہ نے ملک کے ادبی حلقوں میں ہل چل مچا دی جگر مرادآبادی کے کسی عقیدت مند نے تو کچھ نہیں کہا البتہ مولانا سیماب کے شاگردوں نے ہماری زبان میں مضامین کا ایک تانتا باندھ دیا اور یہی ثابت کرنے کی کوشش کی کہ مولانا سیماب داغ ہی کے شاگرد تھے اس سلسلے میں مناظر عاشق ہرگانوی ظفر الاسلام ظفر اور شفا گوالیاری کے مضامین ہماری زبان میں شائع ہو چکے ہیں ممکن ہے کہ دیگر جریدوں میں بھی کچھ حضرات نے اس سلسلے میں لکھا ہو۔ کئی حضرات کے خطوط بھی میرے پاس آئے ہیں جن میں یہ لکھا ہے کہ میں ثابت کر دوں کہ سیماب داغ کے شاگرد نہیں تھے۔ سب سے پہلے وہ حالات زیادہ کارآمد ہوتے ہیں جو کسی شاعر نے خود اپنے متعلق لکھے ہوں۔ نقاد دہلی جنوری فروری ۱۹۴۱ء میں سیماب صاحب کے خود نوشت حالات شائع ہوئے ہیں اس میں ذیل کے فقرے ذہن میں رکھئے

(۱) میں جمادی الثانی ۱۲۹۹ھ مطابق ۱۸۸۰ء بروز دوشنبہ وقت صبح اکبرآباد (آگرہ) کے محلہ نائی منڈی، گلی کچی والی والے مکان میں پیدا ہوا۔

(۲) والد ماجد مولانا محمد حسین مرحوم (نور اللہ مرقدہ) فاضل عصر اور صاحب تحریر تھے اجمیر شریف میں ٹائمس آف انڈیا پریس کی شاخ کے افسر اعلیٰ تھے۔ اپریل ۱۸۹۸ء میں بمقام آگرہ انتقال فرمایا۔

(۳) حضرت والد مرحوم نے مجھے انگریزی مدرسے میں داخل کر دیا جو گورنمنٹ کالج اجمیر کے تعلق و الحاق کی وجہ سے برانچ اسکول کہلاتا تھا۔

(۴) جب میں اجمیر کالج میں پہنچا تو وہاں مولوی سعید الدین قریشی اکبرآبادی مرحوم، مولوی تحسین علی اجمیری مرحوم اور مولوی عابد حسین کی ملاقات اور فاضلانہ توجہات نے میرے اس ذوق شاعری کو بے حجاب کر دیا جو میری فطرت میں ازل سے ودیعت تھا۔

(۵) میرا دستور یہ تھا کہ فارسی نصاب میں جتنے اشعار شریک درس ہوتے ان کا ترجمہ اردو نظم میں کر کے اپنے اساتذہ کے سامنے رکھ دیتا تھا اور یہ مقدس حضرات میری اس جسارت کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔

(۶) والد صاحب کی وفات میں مجبوراً کالج چھوڑ دینا پڑا اور مجھے بہ سلسلۂ معاش کانپور جانا پڑا شیخ ازل لکھنوی، جناب محب لکھنوی اور کانپور کے اکثر شعراء سے ملاقات رہی

(۷) میری طبیعت فطرتاً دبستان دہلی کی طرف مائل تھی اس لیے میں ۱۸۹۸ء میں فصیح الملک حضرت داغ دہلوی کا شاگرد ہو گیا۔

(۸) دوسری یا تیسری غزل پر فصیح الملک نے لکھ دیا کہ ابھی آپ کو مشق کی ضرورت ہے اس تنبیہ کے بعد میں نے غزلوں کی ترسیل کچھ عرصے کے لیے بند کر دی اور مشق سخن کی طرف متوجہ ہو گیا کئی ماہ تک یہ سلسلۂ مشق سخن جاری رہا ... کے بعد مولا گنج (کانپور) میں ایک مشاعرہ کا اعلان ہوا۔ "دم نکلتا ہے مگر نکلتا ہے" میں نے غزل کہی اور استاد کی خدمت میں حیدرآباد بھیج دی یہ غزل جب بعد اصلاح واپس آئی تو پیشانی پر سرخ سیاہی سے لکھا ہوا تھا آفریں ہے کیا خوب غزل کہی ہے۔

(۹) اصلاح کا یہ سلسلہ فصیح الملک مرحوم کی وفات سے کچھ پہلے تک جاری رہا ان کی وفات کے بعد پھر میں نے کسی کو غزل نہ دکھائی۔

اب میں اس خاص کتاب کی طرف توجہ دلاتا ہوں جس کے مصنف حضرت ابراحسنی گنوری ہیں اس کتاب کا نام "اصلاح الاصلاح" ہے جو مولانا سیماب کی کتاب "دستور الاصلاح" کے اس حصہ کی تردید میں ہے جس میں سیماب صاحب نے اپنے گرو داغ اور ذوق کو چھوڑ کر اردو کے قابل ذکر اساتذہ کی اصلاحوں پر اعتراضات کئے تھے اور پھر اپنی بہت سی اصلاحیں پیش کی تھیں یعنی اساتذہ کی اصلاحوں پر بھی اصلاح دی تھی اس کتاب نے ملک میں ایک ادبی ہنگامہ برپا کر دیا تھا۔ "اصلاح الاصلاح" غالباً ۱۹۴۳ء سے ۱۹۴۵ء تک لگاتار رسالہ "رہنمائے تعلیم" لاہور میں شائع ہوتی رہی بعد کو ۱۹۴۹ء میں اس کا دوسرا اڈیشن شائع ہوا پہلا اڈیشن ۱۹۴۷ء دہلی میں نذر آتش ہو گیا۔ اور اشاعت سے پہلے ہی ختم ہو گیا دوسرے اڈیشن کے صفحہ ۱۹ اور ۲۰ پر حضرت ابر گنوری رقمطراز ہیں۔

"سیماب صاحب کی شاعرانہ شخصیت اور نفسیات کا تجزیہ کرنے میں جانشینی داغ کا مسئلہ خاص اہمیت رکھتا ہے انھوں نے مشہور کیا ہے کہ وہ داغ کے شاگرد ہیں لیکن تحقیقات سے یہ چیز غلط ثابت ہوتی ہے۔ ابھی سیماب صاحب کو عالم طفلی میں دیکھنے والے بزرگ بحمد اللہ بقید حیات ہیں خصوصاً ان کے ہم مشق تو متعدد موجود ہیں جب ان سے پوچھا گیا تو معلوم ہوا کہ آپ حضرت حالی اکبرآبادی کے شاگرد ہیں اور حضرت حالی کی زندگی تک ان سے اصلاح لیتے رہے۔"

سیماب صاحب کے والد ماجد اجمیر میں وعظ وغیرہ کہا کرتے تھے سیماب صاحب بھی اس سلسلے میں اجمیر رہتے تھے اور حضرت خاک اجمیری (جو بقید حیات ہیں اور وہاں کے مستند استاد ہیں) سے اصلاح لیتے تھے۔

جب سیماب صاحب ریلوے میں ملازم ہو گئے اور ان کا تبادلہ کانپور ہو گیا تو انھوں نے بطفلانہ وقت حضرت ازل عظیم آبادی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور نہایت وفادار شاگرد کی طرح ان کی شاگردی پر فخر کرتے رہے چنانچہ مرقع تعمیری نام کا گلدستہ جس میں ایک مشاعرہ غالب کے اس مصرع پر چھپا ہے۔

"کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا"

۱۹۰۲ء میں شائع ہوا اس میں سیماب صاحب کا ایک قطعہ تاریخ بھی ہے جس کی سرخی ہے "قطعہ تاریخ عاشق حسین سیماب اکبرآبادی تلمیذ حضرت ازل عظیم آبادی" باایں ہمہ سیماب صاحب خود کو داغ کا شاگرد لکھتے ہیں اور سنہ شاگردی ۱۸۹۸ء بتاتے ہیں (غالباً ابر احسنی گنوری صاحب نے سنہ شاگردی ۱۸۹۸ء دیکھا ہوگا ورنہ وہ ایسا نہ لکھتے کیونکہ یہ کتاب انھوں نے بڑی تحقیق سے لکھی ہے) داغ کے محبوب اور واقف کار شاگردوں میں کوئی اس بات کا پتہ نہیں دیتا کہ انھوں نے سیماب صاحب کو خود داغ کا شاگرد دیکھا یا سنا سفر حضر میں مدتوں ساتھ رہنے والے شاگرد حضرت احسن مرحوم اور حضرت نوح مدظلہ ہیں ان حضرات سے جب سیماب صاحب کے متعلق

استفسار کیا تو انھوں نے اقرار نہ کیا اور مصلحت آمیز خاموشی سے کام لیا۔

اگرچہ یہ دونوں حضرات اپنی تحریروں میں صاف طور سے اس امر کی تصدیق کرتے ہیں کہ ہاں سیماب داغ کے شاگرد ہیں مگر غالباً یہ کام مروت کے تحت تھا۔

حضرت بیخود دہلوی اور حضرت سائل کو جتنی قربت داغ سے حاصل ہے وہ محتاج اظہار نہیں میں نے حضرت بیخود سے سوال کیا کہ کیا سیماب مرزا داغ کے شاگرد ہیں؟ انھوں نے صاف کہا کہ نہیں ہم نے نہ کبھی استاد کے پاس دیکھا نہ کبھی استاد سے ان کا نام سنا میں نے کہا کہ پھر آپ حضرات نے اس بات کا اعلان کیوں نہیں کیا؟ فرمایا میں کیا فرشتہ ایک شخص ہم سے رشتہ ملاتا ہے ہمیں اس کی تالیف قلب کے لیے ہاں میں ہاں ملا دینی چاہیے ایک مرتبہ میں نے حضرت سائل مرحوم سے بھی سوال کیا فرمانے لگے بھیا شاگرد تو نہیں اور اگر ہوں تو اپنے خطی دخطوط کے ذریعہ جو لوگ شاگرد ہوتے ہیں، شاگردوں میں ہوں گے جیسے داغ کے ہزاروں شاگرد تھے اور جن کی غزلیں بیچ ہمارے استاد احسن اور نوح وغیرہ بھی داغ اصلاح کرکے بھیج دیا کرتے تھے میں نے کہا حضرت آپ نے تو بڑے ذوق کے ساتھ اپنی تحریریں انھیں شاگرد داغ تسلیم کیا ہے بلکہ ان کو داغ کے بعد جانشینی کی سند بھی عطا فرمائی ہے آخر کیا! ہنسے اور کہنے لگے ارے بھائی جب انھوں نے نام پیدا کر لیا ہے اور ہماری برادری میں شامل ہونا چاہتے ہیں تو ہمارا حرج بھی کیا ہے کہ ان کو اپنا بھائی بتا دیں اور بنالیں اس طرح حضرت جوش ملسیانی اور حضرت نالاں کلانوری سے جو مرزا داغ کے مخصوص تلامذہ میں ہیں میں نے استفسار کیا تو ان حضرات نے بابانگ دہل انکار نہیں کیا۔ بہر حال کچھ بھی میں تسلیم کیے لیتا ہوں کہ سیماب صاحب داغ کے بھی شاگرد ہیں!

مولانا احسن گنوری کی یہ تحریر بہت سے راز کھول رہی ہے اہل ذوق و ادب اس کو ملاحظہ فرمالیں اب میں وہ قطعہ تاریخ بھی دیئے دیتا ہوں جو مرقع قیصری جون ۱۹۰۴ء میں مولانا سیماب کا شائع ہوا ہے اور اس میں ان کو ازل عظیم آبادی کا شاگرد لکھا ہے۔ جو حضرات اس گلدستہ کو دیکھنا چاہیں قیصری لائبریری میں دیکھ سکتے ہیں۔ یہ گلدستہ کانپور سے شائع ہوتا تھا۔

قطعہ تاریخ از نتیجہ فکر جناب عاشق حسین صاحب سیماب اکبرآبادی شاگرد جناب ازل عظیم آبادی

شائع شدہ آں مرقع تخیل شاعراں
ہر کس شدہ زنقد دل خویش مشتری
حرف است آئینہ حسن دلستان
افسانہ ہائے عشق دبیان یا شعد بری
گلہائے تازہ اش چو بہ بینند بہ یک نگاہ
ہرگز کنند بہار نہ دعوائے ہمسری
عز و کمال چوں نہ بود و بجہاں فزدل
سایہ فگن پر چم اقبال قیصری
پیداست در مرقع عالم مثال تو
از صورت خیال تو چرخ چنبری
شاداں بہ فکر مصرعہ سال اشاعتش
یک بار کرد بلبل طبعم نواگری
سیماب خیز و خامہ بیار و ہمی نویست
زیبا مرقع است دکان سخنوری (۱۹۰۳ء)

ازل عظیم آبادی کا نام حسن مہدی تھا اور ان کی غزلیں بھی گلدستہ مرقع قیصری، جون ۱۹۰۴ء میں شائع ہوئی ہے لیکن سیماب صاحب اپنے خود نوشت حالات میں ان کو ازل عظیم آبادی نہیں لکھتے بلکہ ازل لکھنوی لکھتے ہیں سوال یہ ہے کہ جب بقول خود مولانا سیماب کہ ۱۸۹۸ء میں داغ کے شاگرد ہو چکے تھے تو یہ ۱۹۰۴ء میں ازل عظیم آبادی کے شاگرد کیوں بن رہے ہیں جب کہ انھوں نے بقول خود داغ کے علاوہ کسی سے بھی اصلاح نہیں لی۔ ۱۰ر فروری ۱۹۰۵ء کو داغ کا انتقال ہو گیا۔ مولانا احسن مارہروی نے داغ کی وفات پر جو مرثیہ لکھا ہے اس میں اپنے قابل ذکر استاد بھائیوں کا ذکر کیا ہے لیکن اس میں کہیں سیماب صاحب کا ذکر نہیں ہے۔ مولانا سیماب نے کانپور والی غزل کے سلسلہ میں داغ کا یہ فقرہ "آفریں ہے کیا خوب غزل کہی ہے۔ داغ کی ایسی زبان ہی نہیں تھی۔

عبد المتین نیاز

## غزل

اس قدر قریب سے ہو کے وہ گذر گیا
اک پل یوں لگا جیسے دل ٹھہر گیا

کرکے خون آرزو خوش ہوں اس خیال سے
کچھ نگار صبح کا روپ تو سنور گیا

آگہی کے ساز پر نغمہ شعور چھیڑ
مطرب جہاں تو، تو بھی غم سے ڈر گیا

سرگراں ہے زندگی اس کی تلاش میں
اپنوں کی چھاؤں میں آدمی ٹھہر گیا

ہم زمانہ گرد ہیں یا دو پرچھے ہو گیا
شب کہیں بسر ہوتی دن کہیں گذر گیا

اے نیاز آج بھی زندگی صلیب ہے
مجھ کو یہ خیال تھا دور وہ گذر گیا

انیس انور

# مکتوب لندن

**ریڈیو شیفیلڈ سے اردو پروگرام**

ریڈیو شیفیلڈ نے بی بی سی ہوم سروس میں دو منٹ کا اردو پروگرام شامل کرنے کا فیصلہ کیا ہے جو برطانیہ میں اپنی نوعیت کا پہلا پروگرام ہوگا۔ یہ ہر ہفتہ کی شام ۹ بجے نشر ہوا کرے گا۔ اس پروگرام میں موسیقی، خبریں اور دیگر معلوماتی فیچرز شامل ہوا کریں گے۔ اگر اس میں مدد جانے والے سامعین نے دلچسپی کا اظہار کیا تو اس کا وقت دو منٹ کے بجائے آدھ گھنٹہ کر دیا جائے گا۔ یہ پروگرام شیفیلڈ سے تقریباً ۳۰ میل اطراف کے علاقے تک سنا جا سکے گا۔ ریڈیو شیفیلڈ نے مقامی کمیونٹی ریلیشنز افسر جناب آر، رسول سے کہا ہے کہ وہ پہلے پروگرام کو ترتیب دیں۔ اس پروگرام میں اسسٹنٹ کمیونٹی ریلیشنز افسر مسز بٹ بھی ان کی شریک کار ہوں گی۔ خیال ہے کہ اردو میں نشر ہونے والا یہ پروگرام بی بی سی کے ایک اور پروگرام "اپنا ہی گھر سمجھئے" کے لیے ایک صحت مند مقابلہ پیش کرے گا۔

**انھیں صحیح تلفظ بتائیے صاحب!**

مشرق کے ناظر شکوہ گزار ہیں کہ جب بھی وہ بی بی سی ٹیلیویژن پروگرام "اپنا ہی گھر سمجھئے" میں انگریزی سبق کا پروگرام دیکھتے ہیں ان کی زبان پر فارسی کا یہ شعر بار بار آتا ہے۔

گر ہمیں مکتب است و ہمیں ملا کار طفلاں تمام خواہد شد!

انھیں شکایت ہے کہ اس سبق کے استاد مسٹر رابرٹ جیب مین جو انگریزی کا درس اپنی معاون مس شیلا ڈلنگ کی مدد سے دیتے ہیں "احمد" کا تلفظ صحیح طور پر ادا نہیں کر سکتے۔ مسٹر جیب مین "احمد" کو جو ان کے اسباق میں ایک اہم کردار ہوتا ہے ہمیشہ "آمیڈ" کہتے ہیں۔ اب بھلا کوئی جیب مین صاحب سے پوچھے کہ "احمد" اچھا خاصا معقول سا نام کس طرح "آمیڈ" بن گیا؟ جب کہ وہ اپنے اسباق میں انگریزی الفاظ کا صحیح تلفظ ادا کرنے کے لیے جی جان سے کوشش کرتے ہیں۔ اردو داں کو صحیح انگریزی تلفظ یاد کراتے ہوئے کیا ان کا یہ فرض نہیں کہ وہ خود بھی اردو الفاظ صحیح تلفظ سے ادا کریں؟ کیا بی بی سی کے سلیم شاہد اور مہندر کول مسٹر جیب مین کی صاحبیت دور کرنے کے لیے انھیں لفظ "احمد" کا صحیح تلفظ نہیں بتا سکتے؟

انتخاب مشرق۔

**غزل: میر بشیر لندن**

روش روش پہ جوانی کے ماہ پارہ آئے — جنوں کے قافلے وابستۂ بہار آئے
وہ رات جس کا بڑا انتظار تھا دل کو — وہ رات درد کے پہلو میں ہم گزار آئے
ملا جو اب حرم سے نہ بتکدے سے کہیں — گلی گلی میں تیرے نام کو پکار آئے
نہا کے خون شفق میں ڈھلی ہماری شام — شب فراق بھی آئے تو زر نگار آئے
کسی کی یاد کے جلووں کے بیقرار ہجوم — افق سے چاند جو ابھرا تو اشکبار آئے
خدا کرے مری راتوں میں کائنات جمال — نئی بہار کو لے کر ہزار بار آئے
اے میر التفات سے ملاقات ہو سکتی ہے — مگر محال ہے دل کو کبھی قرار آئے

باقی صفحہ ۳ سے آگے

جامعہ اردو کے امتحانات کو حکومت ماریشس نے تسلیم کیا اور جامعہ اردو کے ابتدائی پاس کرنے والوں کو سرکاری اسکولوں میں جگہ ملنے لگی۔ اسکول میں معلمی کے فرائض انجام دینے کی خواہش کے سبب لوگ جامعہ اردو کے امتحانات کی طرف متوجہ ہوئے۔ ۱۹۵۹ء میں جامعہ اردو کے امتحان کے لیے تقریباً تیس امیدوار تھے لیکن ہر سال امیدواروں کی تعداد بڑھتی چلی گئی۔ ابتدائی اور ادیب کے لیے کافی امیدوار ہوگئے ادھر چند برسوں سے ادیب ماہر کے لیے بھی کچھ امیدوار امتحان دے رہے ہیں۔ ۱۹۷۷ء میں ابتدائی کے لیے ۱۹۰، ادیب کے لیے ۱۰۱، ادیب ماہر کے لیے ۲۳ اور ادیب کامل کے لیے ۲ امیدوار تھے۔

کچھ طالب علم سینئر کیمبرج SENIOR CAMBRIDGE اور GENERAL CERTIFICATE OF EDUCATION LONDON کے امتحانات میں بھی اردو کو ایک اختیاری مضمون کی حیثیت سے لے رہے ہیں اور پچھلے آٹھ سال سے ان طلبہ کی تعداد برابر بڑھ رہی ہے۔ سینئر کیمبرج کے پرچوں میں تین اردو عبارتیں دی جاتی ہیں جن کا ترجمہ اردو سے انگریزی میں کرنا ہوتا ہے ایک چھوٹا ترجمہ انگریزی سے اردو میں بھی ہوتا ہے اور ایک چھوٹا سا مضمون بھی لکھنا پڑتا ہے GENERAL CERTIFICAT OF EDUCATION LONDON AT ADVANCED LEVEL میں بھی اس سال سے اردو داخل کی گئی ہے اس امتحان میں اردو سے انگریزی میں ترجمے کرنے ہوں گے اور مضمون بھی لکھنا ہوگا اس کے علاوہ نذیر احمد کی توبۃ النصوح اور غالب کے خطوط بھی کورس میں ہیں۔ ان پر جو سوال ہوں گے انھیں انگریزی میں بھی حل کیا جا سکتا ہے۔ ۱۹۷۲ء میں حکومت ہند کی طرف سے جناب حلیم الحق جنیدی ماریشس تشریف لے گئے جہاں پر ان کو اردو سکشن کا نگراں بنایا گیا۔ ماریشس کے باشندے ان کی خدمات سے بہت متاثر ہوئے۔ انھوں نے جگہ جگہ اردو کی انجمنیں قائم کیں اور خود بھی اردو کے طلبہ کی مدد کرتے رہے۔ اردو سے لگاؤ روز بروز بڑھتا جا رہا ہے۔ وہاں پر ہر مسلمان اردو سیکھنا اپنا فرض سمجھتا ہے لیکن یہ حقیقت بھی اپنی جگہ اہم ہے کہ اردو کو اب زیادہ تر مذہبی نقطۂ نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا اردو ادب کی طرف توجہ دی جا رہی ہے۔ ہندوستان اور پاکستان سے چند رسالے جاتے رہتے ہیں حالانکہ ان رسالوں کی تعداد بہت کم ہوتی ہے اور بعض اوقات پابندی سے بھی نہیں جاتے شمع، بیسویں صدی، بانو، بیل، رہنما، ماہ نو کی چند کاپیاں جاتی ہیں۔ وہاں پر ایک اردو لائبریری کی کمی شدت سے محسوس ہوتی ہے۔ انڈین ہائی کمیشن کی لائبریری میں چند اردو کتابیں ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ وہ عوامی مانگ کو پورے طور پر پورا نہیں کر سکتیں۔ اس کے علاوہ مناسب نصاب اور پڑھانے والے بھی کم ہیں اور پڑھانے والوں کی صلاحیت بھی معیاری نہیں ہے۔ ماریشس میں پرائمری اسکول کے لیے ایک نصاب تیار کرنا ضروری ہے جس میں اس بات کا خیال رکھا جائے کہ ان بچوں کا ماحول کیا ہے ان کی مادری زبان اور ان کی تہذیب کو بھی پیش نظر رکھا جائے۔ ریڈیو اور ٹیلیویژن کے ذریعہ اردو کا فروغ ہو سکتا ہے لیکن اردو والوں کی اب بھی کمی ہے اور اردو پریس کی ضرورت بڑھ رہی ہے یہ چیزیں ماریشس میں اردو کے ایک خوش آئند مستقبل کی نشاندہی کرتی ہیں۔

مراسلات

## میر کے بہتر نشتر

میر تقی میر کے ۷۲ نشتروں کا ذکر اکثر کتابوں میں ملتا ہے، بعض حضرات ان نشتروں (اشعار) کو میر کے کلام کا نچوڑ کہتے ہیں۔ ان کا کہنا یہ بھی ہے کہ میر کے تمام کلام کو تلف کر دیا جائے (ماسوا نشتروں کے) پھر بھی میر کی عظمت میں کوئی فرق نہ آئے گا اور وہ اپنی شہرت کو اسی طرح برقرار رکھیں گے جیسے "غالب" اپنے "خطوط" کی وجہ سے۔

کیا میر کی عظمت صرف بہتر نشتروں ہی میں پوشیدہ ہے؟ کہیں یہ رائے اردو کے بیشتر عقیدت مندوں یا بلند دعووں کی روشنی میں تو نہیں قائم کی گئی ہے؟ کیا بہتر نشتر کا وجود ہے؟ یا یہ فرضی اور من گھڑت ہے؟ اگر ہے تو وہ کون سے بہتر اشعار ہیں جو نشتروں کے نام سے مشہور ہیں؟

قارئین "ہماری زبان" نیز ارباب نظر سے گزارش ہے کہ مفصل طور پر تفصیل سے بذریعہ "ہماری زبان" آگاہ فرما کر ممنون احسان کریں۔ (ایم [illegible])

## انگریزی کی ایک کتاب کے بارے میں

انگریزی کتاب ALICE IN WONDERLAND دنیا کی مشہور کتابوں میں شمار ہوتی ہے شاید ہی کوئی ایسی زبان ہو جس میں اس کا ترجمہ نہ ہوا ہو۔ ایک امریکی دوست اس کے تمام تراجم جمع کر رہے ہیں کیا کوئی صاحب بتا سکتے ہیں کہ اس کا اردو ترجمہ ہوا ہے یا نہیں؟ اور بشرط اثبات یہ کہاں سے دستیاب ہو سکتا ہے۔ (مالک رام)

## نثار احمد صدیقی کے مراسلہ کے بارے میں

ہفتہ وار "ہماری زبان" کے ۸ فروری ۶۸ء کے شمارہ میں مجوبیت کی غزل اور جناب نثار احمد صدیقی کا مراسلہ بعنوان "ایک دعوت فکر" نظر نواز ہوا۔

مذکورہ غزل کا مقطع اور غزل کے تیور دیکھ کر بلا جھجک یہ حکم لگایا جا سکتا ہے کہ یہ غزل غالب کی ہے کیونکہ دیوان غالب میں اسی قبیل کے کافی شعر مل جاتے ہیں مثلاً

خنجر سے چیر سینہ اگر دل نہ ہو دو نیم
دل میں چھری چبھو مژہ گر خوں چکاں نہیں

ہے ننگ سینہ دل اگر آتش کدہ نہ ہو
ہے عار دل نفس اگر آذر فشاں نہیں

رگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں قائل
جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے

اس کے علاوہ دل کو تنگ وحشت اور کیفیت بادہ کر پیچ وغیرہ کنایے بھی محاورات غالب میں شامل ہیں۔

مگر مقطع میں "ناز عشق" کی ترکیب غالب کا تخلص ہونے کے باوجود اس بات کی غماز ہے کہ یہ غزل غالب کی نہیں ہے اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ دیوان غالب میں لفظ ناز کا کہیں مذکور نہیں ہے اور غالب وہ شاعر ہے جو اپنی پسندیدہ تراکیب و الفاظ کو بار بار استعمال کرتا ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ غزل غالب کی نہیں ہے تو پھر کس کی ہے۔ اس کے لیے ہمیں ایسا شاعر ڈھونڈھنا ہوگا جس کے کلام میں ترکیب و مضامین غالب کو بکثرت استعمال کرنے کی سعی پائی جاتی ہو۔ ایسے شاعر اردو میں دو ہیں۔ ایک قاآنی اور دوسرے یوسف حسین علی خاں ناظم۔ مگر ان دونوں کے مطبوعہ دواوین میں یہ غزل نہیں ملتی۔ قاآنی کا تو خیر اسلوب و بیان ہی غالب سے مختلف ہے۔ ہاں! ناظم کا اسلوب و بیان و مضامین اکثر غالب والے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ناظم کا کلام بھی غالب کی کاوش و حک و اصلاح کا مرہون منت ہے۔ گو ناظم کے مطبوعہ کلام میں یہ غزل شامل نہیں ہے تاہم اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ یہ غزل ناظم کی ہے۔

۱۹۶۴ء میں ایشیاٹک سوسائٹی کے قلمی نسخوں میں ایک تذکرہ بعنوان "[illegible]" موجود تھا اس میں جو [illegible] کی ردیف و قافیہ میں ایک سو غزلیں نقل ہیں غالباً یہ کسی مشاعرہ کی روداد ہے۔ اس نسخہ میں یہی غزل ناظم کے تخلص سے موجود ہے۔ مگر مقطع میں تھوڑا سا تفاوت ہے۔ "[illegible]" کی جگہ "وہ جستجو نہیں جو تری جستجو نہ ہو" لکھا ہوا ہے۔ نسخہ کے آخر میں کسی غیاث الدین رامپوری کی مہر ثبت ہے اور اس کے نیچے "دو شنبہ ۱۸ رجادی الثانی ۱۲۸۰ھ بمطابق سی ام نومبر ۱۸۶۳ء" درج ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رام پور کے کسی طرحی مشاعرہ کے لیے یہ غزل غالب نے یوسف حسین خاں ناظم والئ رام پور کے لیے کہی ہوگی اور کسی طے شدہ معاملہ یا کسی مصلحت کی بنا پر مقطع میں اپنا تخلص لکھ دیا ہوگا جس کو نواب نے خود ناظم میں بدل دیا ہوگا۔ اب وہی کاغذ یا اس اصل کاغذ کی نقل جناب شوکت عظیم کے ہاتھ لگ گئی ہوگی۔

## بشیر انور کی ایک نظم کے سلسلہ میں

"ہماری زبان" (۸ فروری ۱۹۶۸ء) کی اشاعت میں شبیب علی حسین صاحب کا خط "ایک نگاہ" کے عنوان کے تحت نظر سے گزرا جس میں موصوف نے بشیر انور کی نظم "زیاں" کے ایک لفظ "لمحہ" کی طرف توجہ دلائی ہے۔ مجھے یہاں صرف اس قدر عرض کرنا ہے کہ شاعر نے "لمحہ" کا بحرکت حائے حطی استعمال نہیں کیا ہے۔

شبیب صاحب کا یہ کہنا کہ "نظم ہیئتی اعتبار سے آزاد ہے۔ اس میں کسی بحر کی پابندی نہیں کی گئی ہے" یہ اعتراض بھی غلط ہے۔ نظم بحر میں ہے اور آزاد نظم کو ایک ایک مصرع سے نہیں پڑھا جاتا یہ ایک زنجیر ہوتی ہے جس کی کڑیاں ایک دوسرے میں اس طرح گتھی ہوتی ہیں کہ بعض اوقات وزن کے باب میں دھوکہ ہو جاتا ہے۔ امید ہے کہ شبیب صاحب میری اس تحریر پر غور فرمائیں گے۔

بشیر انور حیدرآباد کے ایک ہونہار شاعر ہیں۔ میں نے ان سے یہ نظم ایک مشاعرہ میں بھی سنی تھی بہت اچھے لکھنے والے ہیں ابھی ان کا فن ارتقا اور تشکیل کی منزل میں ہے۔ شبیب صاحب کا لہجہ قدرے سخت اور گراں ہے۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں کہ اعتراض کی نوعیت مخلصانہ اور دوستانہ بھی ہو سکتی تھی۔ (شاذ تمکنت)

# رانچی یونی ورسٹی میں پروفیسر آل احمد سرور کی تقریر

رانچی اردو ادب کے مشہور و معتبر ناقد اور سابق صدر شعبۂ اردو مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ جناب پروفیسر آل احمد سرور صاحب ۲۸ فروری ۹۸ء کو رانچی یونی ورسٹی تشریف لائے۔ اس موقع پر بزم ادب، رانچی کالج کی جانب سے سرور صاحب کے اعزاز میں ایک خصوصی جلسہ کا انعقاد کیا گیا۔ اس تاریخی جلسے کی صدارت اردو کے مشہور و معروف شاعر اور سابق استاد شعبۂ اردو پٹنہ یونی ورسٹی جناب علامہ جمیل مظہری صاحب نے فرمائی۔ ابتدا میں جناب اے اے ما رکم، وائس چانسلر رانچی یونیورسٹی نے معزز مہمانوں کا حاضرین سے تعارف کرایا۔ اس کے بعد جناب ابوذر عثمانی استاد شعبۂ اردو رانچی کالج، رانچی یونیورسٹی نے پروفیسر آل احمد سرور اور علامہ جمیل مظہری کا خیر مقدم کرتے ہوئے ان بزرگوں کی ادبی خدمات اور کارگزاریوں پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ موصوف نے خصوصیت کے ساتھ آل احمد سرور صاحب کے تنقیدی نظریات اور اردو کے تنقیدی ادب پر ان کے گہرے اثرات کا ذکر فرمایا اور کہا کہ سرور صاحب اردو کے ان برگزیدہ نقادوں میں ہیں جو صحیح معنوں میں اردو تنقید کی آبرو کہے جا سکتے ہیں۔ سرور صاحب کی مخصوص خصوصیت ان کا معتدل اور متوازن انداز نقد ہے جس کی مثال اردو کے نقادوں میں بہت کم ملتی ہے۔ سرور صاحب کسی طرح کی نظریاتی کج روی، غلو اور انتہا پسندی کا شکار نہیں جس کے لیے اردو کے بعض نامور ناقدین بدنام ہیں۔ موصوف کا یہ بھی ایک امتیازی وصف ہے کہ انھوں نے اپنے آپ کو کسی ایسی ادبی تحریک یا نظریہ سے وابستہ نہیں کیا جو ادب کی آفاقیت اور ہمہ گیری کو محدود کرنے کا سبب بنا ہو۔ انھوں نے امید ظاہر کی کہ سرور صاحب نے جس طرح ترقی پسند تحریک کے زمانے میں نظریاتی عصبیت اور گروہ بندی کو ختم کرنے میں موثر رول ادا کیا اسی طرح آج جدیدیت کے نام پر جو گروہ بندی ابھر رہی ہے اسے بھی ختم کرنے میں کامیاب ہوں گے۔ جناب آل احمد سرور صاحب نے اس موقع پر ادب میں اظہار و ابلاغ کے مسئلے پر ایک نہایت عالمانہ اور بصیرت افروز تقریر فرمائی۔ آپ نے ادب میں اظہار و ابلاغ (EXPRESSION AND COMMUNICATION) کا مسئلہ جس طرح بروئے کار آتا ہے اس کی وضاحت کی اور فرمایا کہ یہ ممکن ہے کہ کوئی اظہار ابلاغ نہ بن سکے لیکن اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں کہ ہر اظہار اپنے اندر کم و بیش ابلاغ کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ادب میں جو بعض اوقات ابلاغ کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ قاری کا ذہن فنکار کے ذہن کا ساتھ نہیں دے پاتا یا پھر ادب سے بالکل غلط مطالبے کیے جاتے ہیں۔ ایسے مطالبے جو ادب کی حقیقت، اس کے منصب و مقصد اور اس کی کارفرمائیوں سے بے خبری کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ کچھ لوگ ادب کو محض نشہ، نجات یا چنڈو خانہ سمجھتے ہیں۔ کچھ لوگ اس میں سیاسی مسائل کا حل تلاش کرتے ہیں اور کچھ اسے محض ایک فارمولا سمجھتے ہیں۔ سرور صاحب نے فرمایا کہ ادب میں اخلاقی، سماجی، سیاسی بھی طرح کے پہلو ہو سکتے ہیں لیکن اس کا جمالیاتی پہلو ان تمام پہلوؤں پر مقدم ہوتا ہے۔ ہمیں اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ ادب انقلاب نہیں لاتا بلکہ انقلاب کے لیے ذہن کو صرف بیدار کرتا ہے۔ ادب تلوار، بندوق یا گولی نہیں ہاں وہ ان چیزوں کا اثر ضرور رکھتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ادب کا مطالعہ کرتے ہوئے ہمیں اس کے مزاج اور منصب و مقصد کو بخوبی سمجھ لینا چاہیے اور اس سے اتنا ہی مطالبہ کرنا چاہیے جتنا یہ دے سکتا ہے۔ سرور صاحب نے تسلیم کیا کہ ابلاغ کی دشواری بعض اوقات اس سے بھی پیدا ہوتی ہے کہ بعض ادیب اپنے فنکارانہ عمل میں ادب کے منصب و مقصد کا خیال نہیں رکھتے اور اظہار فن کے وسیلوں پر انھیں پوری دسترس حاصل نہیں ہوتی لیکن اس کی وجہ سے بہر حال سارا الزام فنکار پر عائد نہیں کیا جا سکتا۔ آپ نے اس کی مثال ریڈیو سے دی اور کہا کہ ریڈیو میں تین چیزیں ہوتی ہیں ٹرانسمیٹر، میڈیم اور ریسیور اور یہ تینوں چیزیں مل کر ہم تک آواز پہنچانے کا سبب بنتی ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی ایک چیز بھی ناقص ہو اور اپنا فرض ادا کرنا چھوڑ دے تو آواز کا کامیابی سے منتقل ہونا محال ہے۔ یہی حال ادب کا ہے۔ یہاں اظہار و ابلاغ کا مسئلہ دوہرا یعنی فنکار اور قاری دونوں کا مسئلہ بن کر ہمارے سامنے آتا ہے۔ جہاں فنکار کو یہ کوشش کرنی چاہیے کہ وہ خود، خواہ اپنے اور پڑھنے والوں کے درمیان پردے حائل نہ کرے وہاں پڑھنے والے کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ اپنے آپ کو برضا و رغبت ادیب کے حوالے کر دینے کے لیے تیار رہے۔ آپ نے فرمایا کہ کسی فن سے لطف اندوز ہونے کے لیے اس کے آداب جاننا ضروری ہیں۔ اس لیے اگر شاعر قاری سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس سے شکایت کرنے یا اس پر تنقید کرنے سے قبل شاعری کے آداب سے بھی واقف ہو اور اس کا آشنائے راز بھی ہو تو اس کا مطالبہ غلط نہیں کہا جا سکتا۔ سرور صاحب نے فرمایا کہ ابلاغ کی دشواریاں موضوع اور انداز بیان دونوں کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ فنکار نہ صرف یہ کہ نئے موضوع کو جانے پہچانے استعاروں کا روپ دیتا ہے اور نئی شراب کو پرانی بوتلوں میں رکھتا ہے بلکہ وہ اپنے مفہوم کا علامتی اظہار بھی کرتا ہے اور علامتی اظہار بہر حال براہ راست اظہار سے بہتر ہوتا ہے اور وہ دراصل یہی ادبی اظہار کی اعلیٰ ترین شکل بھی ہے۔

سرور صاحب نے آگے چل کر فرمایا کہ ہمیں اس موضوع کا مطالعہ ادب میں روایت و بغاوت کے ہمیشہ جاری رہنے والے سلسلے کے پس منظر میں کرنا چاہیے جس کی وجہ سے ادب میں نئے تجربے، نئے خیالات اور نئے اسالیب ہمیشہ سامنے آتے رہتے ہیں۔ ادب میں یہ مسئلہ کچھ نیا نہیں بلکہ ہمیشہ پیدا ہوتا رہتا ہے۔ میر انیس اور حالی کے ساتھ بھی یہ مسئلہ پیش آیا تھا۔ غالب اور اقبال کے ساتھ بھی عظمت اللہ خاں کے ساتھ بھی اور ترقی پسندوں کے ساتھ بھی اور آج نئی شاعری کے بھی ساتھ پیش آ رہا ہے۔ سرور صاحب نے فرمایا کہ آج جو یہ مسئلہ پوری شدت کے ساتھ ہمارے سامنے آگیا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ ہمارے یہاں گذشتہ تیس برسوں میں بہت سے نئے تجربے ہوئے اور ابتدا میں عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ وہ لوگ جو حسن کا مانوس تصور رکھتے ہیں یعنی لکیر کے فقیر ہیں اور متعین شاہراہوں پر چلنے کے عادی ہیں وہ نئے راستے پر چلنے والوں کو ٹھیک سے سمجھ نہیں پاتے لیکن ہمیں اس حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ ادب میں ہمیشہ نئے تجربے ہوتے ہیں اور نئے راستے نکلتے رہتے ہیں اور یہ نئے تجربے خلا میں نہیں ہوتے بلکہ کسی نہ کسی روایت کی توسیع، ترمیم اور اس پر اضافہ ہوتے ہیں۔ ادیب جب کوئی نیا تجربہ کرتا ہے تو ماضی کے پورے سرمائے کو اپنے سامنے رکھتا ہے اس سے شعوری طور پر استفادہ

کرتا ہے اور اس کے ذریعہ اپنے تجربے کو نیا حسن، نئی معنویت اور نئی توانائی عطا کرتا ہے۔ سرور صاحب نے تقریر ختم کرتے ہوئے فرمایا کہ آج اردو ادب میں جو تجربے ہو رہے ہیں ان میں نقالی اور فیشن پرستی ہو سکتی ہے اور شاید اس کا حصہ غالب ایسا ہی ہو لیکن نقالی اور فیشن پرستی کس دور کے ادب میں نہیں ہے؟ انگلستان میں آج جو کتابیں لکھی جا رہی ہیں ان میں نوے فیصدی ایسی ہیں جو ردی کی ٹوکری میں پھینک دینے کے لائق ہیں لیکن جو دس فیصدی کتابیں ہیں وہ ایسی ہیں جن سے اس کی ذہنی زندگی کا بھرم بھی قائم ہے۔ اس لیے اگر جدید شاعری کا تھوڑا سا بھی حصہ ایسا ہے جس میں خلوص ہے، جس سے زندگی کا شعور اور بصیرت حاصل ہوتی ہے تو ہمیں اس کا خلوص اور ہمدردی کے ساتھ مطالعہ کرنا چاہیے۔ سرور صاحب نے مشورہ دیا کہ ہمیں شاعر کے کلام کا مطالعہ اس کی ذاتی نگاہ سے کرنا چاہیے جو اس کی سب سے بڑی متاع ہوتی ہے اور کہا کہ صرف اسی طریقے سے اس کے تجربے کے وہ اسرار و رموز ہم پر منکشف ہو سکیں گے جو ہمارے لیے ایک نئے ایمان، نئی انجمن آرائی اور نئی آئینہ سامانی کا سبب بن سکتے ہیں۔

سرور صاحب نے ۵۰ منٹ کی تقریر میں اس موضوع کے اہم ترین گوشوں پر بڑی بھرپور روشنی ڈالی۔ جمیل مظہری صاحب نے سرور صاحب کی تقریر پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ انھیں سرور صاحب کے خیالات سے ۵۰ فیصدی اتفاق ہے اور ۵۰ فیصدی اختلاف لیکن انھیں سرور صاحب سے کن امور میں اختلاف ہے اس کی توضیح وہ وقت کی کمی کی وجہ سے نہ کر سکے تاہم انھوں نے فرمایا کہ ادب کے معاملہ میں شخصی رجحان پر پابندی عاید کرنے کی بات کرنا ان کے خیال میں نہ تو درست ہے نہ ممکن، ادیب کا سب سے بڑا پارکھ خود زمانہ ہے اور وہی اس کی قسمت کا فیصلہ کرے گا اس لیے ہم لوگ اس قضیہ میں نہ پڑیں تو بہتر ہے۔ جمیل صاحب نے سامعین کے اصرار پر اپنی ایک تازہ غزل بھی سنائی جس میں انھوں نے ترقی پسندی اور جدیدیت دونوں کو سمونے کی کوشش کی یعنی ترقی پسند شعرا کی انقلابیت کو بھی خوش آمدید کہا اور جدید شعرا کی ذاتی الجھنوں کے اظہار کا بھی معقول جواز فراہم کرنے کی کوشش کی ملاحظہ ہوں موصوف کے دو شعر ؎

سن لو بہا آتا ہے تیزی سے سوئے حالی
ہم لوگ اس عہد کے قدموں کی صدا ہیں
کیا آگ ہو جمعیت احساس کی امید
یہ ہند کے فنکار ہیں آشفتہ نوا ہیں

علامہ جمیل مظہری کی فرمائش پر سرور صاحب نے بھی اس موقع پر اپنی ایک غزل سنائی جس میں انھوں نے کچھ اس انداز میں تازہ خیالوں اور نئی راہوں کی بات کہی جس سے یہ صاف ظاہر ہوتا تھا کہ موصوف کا اشارہ کس طرف ہے ؎

تازہ کاری نے دہاں کردئے عالم ایجاد
ہم ترستے ہی رہے تازہ خیالوں کے لیے
شاہراہوں سے گزرتے ہیں شب و روز ہجوم
نئی راہیں ہیں فقط چند جیالوں کے لیے

سرور صاحب نے اپنی تقریر میں جدید شاعری کی جس مدلل انداز میں ترجمانی کی اس سے ان اشعار کا مفہوم چھپا نہیں رہتا اور یہ صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ وہ شعوری یا غیر شعوری طور پر جدید شاعری یا ادب ہی کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ یہ یادگار تاریخی نشست جناب احمد سجاد صاحب استاد شعبۂ اردو رانچی کالج رانچی یونی ورسٹی کے شکریہ پر ختم ہوئی۔

(عمران حسن، سکریٹری بزم ادب رانچی یونی ورسٹی)

## انجمن ترقی اردو پٹیالہ کے زیر اہتمام ادبی تقریب

پٹیالہ۔ انجمن ترقی اردو (ہند)، ماڈل ٹاؤن پٹیالہ کے زیر اہتمام سنٹرل پبلک لائبریری ہال میں ایک ادبی تقریب کا انعقاد ہوا جس کی صدارت حکومت پنجاب کے وزیر ویلفیئر گورنمنٹ جناب نفیر چند گپتا نے فرمائی۔ یہ عظیم الشان تقریب انجمن ہذا کی جانب سے شائع کردہ رزمیہ نظموں کی کتاب "لہو ترنگ" کی پانچ سو جلدیں فوجی جوانوں کو نذر کرنے کے سلسلے میں کی گئی تھی۔ بعد ازاں ایک مشاعرہ ہوا جس کی صدارت جناب نفیر چند گپتا وزیر ویلفیئر گورنمنٹ پنجاب — کی۔ اس محفل شعر و سخن کے میر مشاعرہ کے فرائض پروفیسر بیدار نے انجام دئے۔ اس بزم سخن میں حصہ لینے والے شعرائے کرام میں لسان الاعجاز سردار اودے سنگھ شائق، جناب پروفیسر کرپال سنگھ بیدار، جناب نوبہار صابر، جناب گوڈی سیال وفا، (پی۔ سی۔ ایس)، جناب ہربنس سنگھ تاج، جناب برق کاشمیری، جناب مہر چند کوثر، جناب نازاں سرحدی، جناب ساغر شغالی، جناب خضر جالندھری، جناب جسونت سنگھ وقتا، جناب جنبش پٹیالوی، جناب سیوک نیر، جناب نفیس سرحدی، جناب راج دیوانہ، جناب بخشش راحت، جناب راز پٹیالوی، جناب واجد اور جناب جوہر بھارتی کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ مشاعرہ کے اختتام پر جناب نفیر چند گپتا نے انجمن کی ادبی خدمات کی ستائش کرتے ہوئے مبلغ پندرہ سو روپے کی گرانقدر رقم انجمن کو بطور امداد دینے کا اعلان فرمایا۔

(جوہر بھارتی، سکریٹری)

## انجمن ترقی اردو ہیرن پور کے زیر اہتمام بزم جمال کا قیام

سنتھال پرگنہ ضلع انجمن ترقی اردو کے سابق جنرل سکریٹری اور اردو کے مشہور شاعر و ادیب جناب جمال الدین صدیقی جمال مرحوم کی یاد میں ایک ادبی ادارہ بزم جمال کا قیام انجمن ترقی اردو ہیرن پور کے زیر اہتمام عمل میں آیا اور اتفاق رائے سے درج ذیل حضرات سال رواں کے لیے عہدہ دار منتخب ہوئے۔

صدر:- جناب ابوالخیر صاحب۔
نائب صدر:- جناب کبیر احمد والحاج امام الدین صاحبان۔
جنرل سکریٹری:- جناب کمال الدین صدیقی۔ بی۔ اے (آنرز)
نائب سکریٹری:- جناب ابوالقیس صاحب۔
خازن:- جناب عبدالودود انصاری صاحب۔

(کمال الدین صدیقی۔ جنرل سکریٹری
انجمن ترقی اردو ہیرن پور۔ بہار)

# جموں و کشمیر میں جشن غالب کمیٹی کا قیام

جموں۔ جموں و کشمیر کے گورنر جناب بھگوان سہائے نے یہاں غالب صد سالہ کمیٹی کا افتتاح کیا۔ یہ کمیٹی صوبہ جموں میں غالب کی صد سالہ برسی منانے کے لیے انتظامات کرے گی۔ جموں و کشمیر یونیورسٹی کے اردو کے سربراہ ڈاکٹر گیان چند کمیٹی کے صدر اور جناب امرت ملہوترا سکریٹری منتخب کئے گئے۔ خواجہ عبد الغنی گونی وزیر برائے مالیات نائب صدر، سید شیخ حسین شاہ خزانچی اور جناب دیدھین ایڈیٹر کشمیر ٹائمز جوائنٹ سکریٹری چنے گئے۔ ان کے علاوہ ورکنگ کمیٹی میں مندرجہ ذیل حضرات کو منتخب کیا گیا۔ جناب جیت رام چوپڑہ، پروفیسر بی۔ ڈی۔ جی شرما، جناب نرسنگھ داس نرگس، ایم اشفاق، کیپٹن عبد العزیز، ملک راج صراف، شنبھو ناتھ نگر، انگیل سنگھ، جناب بلراج پوری، خواجہ غلام قادر پانڈے، جناب عبد العزیز میر اور جناب کشن داس شرما۔ دو ناموں کا اعلان بعد میں کیا جائے گا۔

(سکریٹری)

## ہیرن پور میں یوم غالب

انجمن ترقی اردو ہیرن پور (سنتھال پرگنہ) کے زیر اہتمام "یوم غالب" کی تقریب نہایت ہی تزک و احتشام کے ساتھ زیر صدارت جناب ابو الخیر صاحب منعقد ہوئی۔ سب سے پہلے جناب کمال الدین صدیقی، جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو ہیرن پور نے اپنا ایک مضمون بعنوان "غالب ایک جائزہ" پڑھا۔ ڈاکٹر فضل الرحمن نے غالب کی رومانی شاعری پر روشنی ڈالی۔ جناب ابو النفیس، ابراہیم دو شیل نے اپنی تقریروں میں غالب کی ادبی خدمات کا جائزہ لیا اور انھیں خراج عقیدت پیش کی۔

(کمال الدین صدیقی۔ جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو ہیرن پور بہار)

## اودے پور میں یوم غالب

۱۵ فروری ۱۹۶۸ء کو بزم غالب کی جانب سے انجمن اسکول میں "یوم غالب" منایا گیا۔ جلسے کی صدارت کرتے ہوئے ہندی ادیب جناب جناردھن رائے ناگر نے کہا "ہمارے دیش کے کویوں میں مرزا غالب بہت بڑے کوی ہیں میں ذاتی طور پر مرزا غالب کا بھگت ہوں اردو دنیا کی آبرو میر اور مرزا غالب کی وجہ سے کھنچی ہے۔" مہمان خصوصی جناب کیف بھوپالی کی افتتاحی تقریر کے بعد خلیل تنویر نے اپنا مقالہ "اردو غزل اور غالب" پڑھا۔

اس موقع پر ایک مشاعرہ بھی ہوا جس میں جناب کیف بھوپالی، جناب عابد حسین عابد، جناب اختر قادری، عبد اللطیف لطیف، جناب شاہد عزیز، جناب حنیف الایمان اور جناب شمان قریشی نے شرکت کی۔

(نامہ نگار)

## صد سالہ جشن غالب کے سلسلہ میں انجمن ترقی اردو مغربی بنگال کا پروگرام

انجمن ترقی اردو مغربی بنگال نے مدت سے تقریباً چھ ماہ قبل صد سالہ جشن غالب کمیٹی تشکیل کر کے جشن کے سلسلہ میں کام کا پروگرام طے کر کے عملی اقدام شروع کردیا ہے۔ سب سے اہم کام جو اس سلسلہ میں انجمن نے اپنے ہاتھ میں لیا ہے وہ غالب کے کلام کا بنگلہ میں ترجمہ کرنا ہے۔ اس غرض سے بنگلہ اور اردو کے ادیبوں پر مشتمل ایک بورڈ کی ترتیب دی گئی ہے جس نے غزلوں اور شعروں کا انتخاب کر کے بنگلہ میں ترجمہ کا کام شروع کر دیا ہے۔ مجوزہ کتاب میں غالب کے کلام کے بنگلہ ترجمے کے علاوہ ترجمہ کئے جانے والے اشعار کا اردو متن نیز بنگلہ زبان میں اشعار کے الفاظ چھاپے جائیں گے۔ اس کے علاوہ غالب کے سوانح حیات اور ان کے کلام پر تبصرہ بھی اس میں شامل ہوں گے۔ اس کتاب کے علاوہ اردو میں بھی ایک یادگار کتاب شائع کی جائے گی جس میں بنگال کے ادیبوں، پروفیسروں اور دیگر اہل قلم حضرات کے مضامین غالب کے کلام اور زندگی سے متعلق شامل ہوں گے۔ طلبہ کو بھی مضامین لکھنے کی دعوت دی جارہی ہے۔ جنھیں بہتر مضامین لکھنے پر انعامات دینے کے علاوہ ان میں سے بہترین مضمون کو بھی مجوزہ مجلہ میں شامل کیا جائے گا۔ ان بنیادی کاموں کے علاوہ ۱۹۶۹ء میں مشاعرہ، تمثیلی مشاعرہ، ڈرامہ وغیرہ کے پروگرام بھی زیر غور ہیں جن کا اعلان عنقریب کیا جائے گا۔ ہمیں امید ہے کہ تمام اردو دوست حضرات اراکین انجمن کے ساتھ ہر ممکن کوشش سے تعاون فرمائیں گے تاکہ غالب کا صد سالہ جشن کلکتہ میں شایان شان اور تاریخی طور پر منایا جا سکے۔

(ایم۔ اے مجید جنرل سکریٹری)

## دائرۂ اردو گیا کی بارہویں نشست

دائرۂ اردو گیا کی بارہویں ماہانہ نشست پروفیسر محمد حنیف لکچرر شعبۂ انگریزی گیا کالج کی قیام گاہ پر ہوئی۔ جناب کلام حیدری نے اپنا افسانہ "بجلی اور چھپکلی" سنایا۔ افسانہ کے مختلف فنی پہلوؤں پر سر رشید چودھری، انجم قاسمی، احسن مجید، رفیع مظفر اور دوسرے شرکاء نے اظہار خیال کیا۔

## اردو کو خصوصی رتبہ دیا گیا تو جن سنگھ مزاحمت کی تحریک چلائے گی

جمشید پور۔ آل انڈیا جن سنگھ کے نئے صدر جناب اٹل بہاری باجپئی نے یہاں ایک جلسۂ عام میں کہا کہ اگر اردو کو دوسری زبانوں پر ترجیح دیتے ہوئے کوئی خصوصی رتبہ دیا گیا تو ملک میں اردو نہ بولنے والے عوام جن کا تناسب زیادہ ہے بھڑک اٹھیں گے۔ جن سنگھ کے رہنما نے تمام علاقائی زبانوں کی ترقی کے لیے مساوی مواقع کی وکالت ضرور کی لیکن انھوں نے یہ بھی کہا کہ اگر ہندی کی طرح مرکزی حکومت اردو پر خصوصی توجہ دینے پر ابھی تک قائم ہے تو میری جماعت اس کے خلاف مزاحمت کی جد و جہد جاری رکھے گی۔

(سیاست کانپور)

## مرکزی دفتروں میں سہ لسانی فارمولا نافذ کیا جائے

نئی دہلی ۱۰ فروری۔ کانگریس ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں اس بات پر اتفاق کیا گیا کہ سہ لسانی فارمولا کو مرکزی حکومت کے دفاتر تک وسعت دیا جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام مرکزی

ملازمین کو ہندی، انگریزی اور ایک تیسری زبان سیکھنی ہوگی۔ جنوبی ہند کے ان لیڈروں نے اعلان کیا کہ لسانی مسئلہ پر کوئی ٹھوس فیصلہ ہی ملک میں امن و امان اور یکجہتی کو برقرار رکھ سکتا ہے۔ کانگریس ورکنگ کمیٹی نے مرکزی حکومت سے درخواست کی کہ وہ اس فیصلہ کو عملی جامہ پہنائے۔

## انجمن ترقی اردو رانچی کے جلسہ میں غلام سرور کی تقریر

رانچی۔ جناب غلام سرور صدر بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کو اراکین انجمن ترقی اردو (رانچی) کی جانب سے استقبالیہ دیا گیا۔ سب سے پہلے جناب گل احمد ایم اے جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو نے ایک استقبالیہ رپورٹ پڑھ کر سنائی۔ اس کے بعد مہمان خصوصی جناب غلام سرور نے بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کی کارکردگی کا تذکرہ کیا اور اردو سے متعلق چند اہم باتیں بتائیں۔ موصوف نے فرمایا کہ پچھلے بیس برس کے تجربات کے نتیجے میں انجمن نے گزشتہ سال اردو کو الیکشن کا اشو بنایا۔ الیکشن اشو کا مطلب بیان کرتے ہوئے یہ کہا کہ کسی بھی سوال کو الیکشن کا اشو بنانے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ سوال ایک ایک گاؤں، ایک ایک دیہات اور ایک ایک شخص تک پہنچ جائے اور جہاں تک اس کی کامیابی کا سوال ہے ہم اس میں سو فیصد کامیاب ہوئے ہیں۔ اردو کا سوال ایک ایک شخص اور ایک ایک دروازے تک پہنچ گیا۔ نتیجہ ان حلقوں میں بھی جو اردو کو نہ جانتا تھا جانے لگا۔ وہ اخبارات جو اردو کے متعلق خبریں شایع کرنے سے پرہیز کرتے تھے صرف اردو کے نام پر کالم کے کالم سیاہ کرنے لگے اور باضابطہ کچھ دنوں تک تو انگریزی اخبارات اردو پر بحث و مباحثہ بھی کرتے رہے۔ دوران تقریر انھوں نے کہا کہ بلاشبہ ہماری انجمن جہاں کل تھی آج وہاں سے بہت آگے ہے۔ آج سے بیس سال پہلے لوگ اردو کا نام لینے سے ڈرتے تھے لیکن آج وہ بات نہیں ہے ہم نے دھیرے دھیرے لوگوں کو تیار کیا اور اس سلسلہ میں سب سے پہلا قدم دستخطی مہم کا اٹھایا۔ بیس لاکھ اردو دوستوں کے دستخط جمع کئے اور صدر ہند کی خدمت میں پیش کیا۔ اگرچہ نتیجہ کچھ نہیں برآمد ہوا۔ اور حکومت سے جو مطالبہ کیا گیا تھا وہ بھی پورا نہیں ہوا۔ لیکن ہندوستان کی تاریخ میں پہلی بار ایسا ہوا کہ ایک ایک دیہات تک اردو کا پیغام پہنچا اور ۱۹۶۱ء میں جو مردم شماری ہوئی اس میں اس تحریک کو عام کیا۔ آخر میں ۶۷ء میں اردو کو الیکشن کا اشو بنا کر اسے مزید وسعت دی۔ موصوف نے کہا کہ ایک بات تو بالکل صاف اور واضح ہے کہ ہم لوگوں کی کوئی سیاسی تنظیم نہیں ہے۔ ہم لوگ کوئی سیاسی پارٹی نہیں ہیں۔ جو پورے طور پر اثر انداز ہو سکیں۔ پھر بھی تھوڑی طاقت ضرور رکھتے ہیں۔ آخر میں جناب صدر نے حاضرین کے بعض سوالوں کے جواب دیئے جو اردو سے متعلق تھے۔

## مشاعرہ بسلسلہ جشن صد سالہ غالب

بنارس۔ یہاں جشن صد سالہ غالب کے سلسلہ میں ایک مشاعرہ زیر صدارت جناب ضیاء الحق صاحب ڈپٹی اڈمنسٹریٹر نگر مہاپالیکا بنارس جے۔ پی۔ مہتا کالج بنارس میں منعقد ہوا۔ ۱۵ فروری کو یوم غالب کالج میں منایا گیا تھا اسی سلسلہ میں مشاعرہ کرنا بھی طے ہوا تھا۔ اولاً بابو شیو ناتھ پرشاد صاحب لکچرار ڈی۔ اے۔ وی کالج بنارس نے افتتاحی تقریر بسلسلہ انتخاب صدارت و یوم غالب فرمائی۔ اس کے بعد مشاعرہ کا آغاز ہوا۔ جناب برکت اللہ صاحب تبسم۔ عبد الحفیظ صاحب تنویر۔ شکیل صاحب۔ ضیا صاحب، خلیل صاحب، جنید صاحب، مولانا احمد کرم صاحب عاقب، مکاتب علی صاحب، شیو ناتھ پرشاد صاحب شاد، سوریندر کمار شگن صاحب، شبیر احمد صاحب گمنام، عزیز صاحب عزیز، سراج صاحب و جناب عبد القدوس صاحب نیرنگ نے اپنے اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ فرمایا۔

(وقار رسول جوائنٹ سکریٹری انجمن ترقی اردو بنارس)

## بریاتو اردو لائبریری، رانچی کا جلسہ

بریاتو اردو لائبریری رانچی کا سالانہ جلسہ بتاریخ ۲۵ فروری کو ہوا۔ جلسہ کی صدارت ڈی۔ کے۔ جیرہ اکاونٹنٹ جنرل بہار نے فرمائی۔ مشاعرہ کا افتتاح جناب دھرم سروپ ناگر صاحب ڈپٹی اسسٹنٹ ایڈوائزر ہندوستان اسٹیل لمیٹیڈ نے فرمایا۔ جناب ڈی۔ پی۔ ورما صاحب رجسٹرار رانچی یونیورسٹی کے ہاتھوں انعامات کی تقسیم ہوئی۔ جلسہ کے معزز حاضرین میں پرنسپل وٹنری کالج، پرنسپل پولیٹکنک اسکول، کئی سینئر مجسٹریٹ، رانچی یونیورسٹی کے بہت سے مسلم و غیر مسلم پروفیسران اور ڈاکٹر بھی تھے۔ ان کے علاوہ مختلف اسکولوں اور کالجوں کے طلبہ کی تعداد بھی اچھی خاصی تھی۔

محفل مشاعرہ میں تمام قابل ذکر مقامی شعرائے کرام نے شرکت کی جن میں نسیم جنیدی، نظر ڈالٹنگنجوی، پروفیسر صبیح الحق صدر شعبہ اردو رانچی کالج، ڈاکٹر ناصر علی ناصر بھاگلپوری، دھرم سروپ ناگر، ضیا پرتاپ گڑھی، توحید رانچوی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ آخر میں بریاتو اردو لائبریری کے صدر جناب پروفیسر احمد سجاد صاحب نے حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔

(عبد العزیز خاں سکریٹری، شعبہ نشر و اشاعت، رانچی)

آل احمد سرور

# میرا صفحہ

ساہتیہ اکاڈمی بارہ مارچ ۱۹۵۴ء کو وجود میں آئی۔ اس کا مقصد ہندوستانی ادبیات کی ترقی کے لیے سرگرم کوششیں کرنا، بلند ادبی معیار قائم کرنا، ہندوستان کی تمام زبانوں کی ادبی سرگرمیوں کو مربوط کرنا اور انھیں ترقی دینا اور ان سب کے ذریعہ سے ملک کی تہذیبی وحدت کو تقویت پہنچانا ہے۔ یہ اکاڈمی حکومت ہند نے قائم کی ہے مگر ایک آزاد ادارے کی حیثیت سے کام کر رہی ہے مگر حکومت سے قریبی تعلق کی وجہ سے ابھی تک یہ اتنی آزاد نہیں ہو سکی جتنی ہونی چاہیے۔ اس کا دفتر رابندر بھون میں ہے جہاں دوسری دو اکاڈمیوں سنگیت ناٹک اکاڈمی اور للت کلا اکاڈمی کا بھی دفتر ہے۔ اس کا سالانہ بجٹ ساڑھے آٹھ لاکھ کا ہے جس میں سے چھ لاکھ حکومت کی امداد ہے۔ باقی کتابوں کی نکاسی کی آمدنی ہے۔ اکاڈمی بیرونی زبانوں کے ادب عالیہ کا ترجمہ ہندوستانی زبانوں میں کرانے کے علاوہ ہر ہندوستانی زبان کے شاہکاروں کا ترجمہ دوسری ہندوستانی زبانوں میں کرتی ہے اور اس کے ساتھ ہر ہندوستانی زبان میں کچھ نظم و نثر کے انتخابات تیار کرتی ہے۔ اردو میں اکاڈمی مولانا آزاد کی تمام تصانیف بھی شایع کر رہی ہے۔ اب تک ترجمان القرآن کی دو جلدیں اور غبار خاطر شایع ہو چکی ہیں۔ تذکرہ پریس میں ہے۔ اکاڈمی دستور کے آٹھویں شیڈول میں درج پندرہ زبانوں کے علاوہ سندھی اور انگریزی کو بھی تسلیم کرتی ہے۔ اس طرح وہ سترہ زبانوں میں کتابیں شایع کرتی ہے اور ہر سال ہر زبان میں پچھلے تین سال کی بہترین ادبی کتاب پر پانچ ہزار کا ایک انعام بھی دیتی ہے۔

اکاڈمی کی ایک جنرل کونسل ہے جس کے پچھتر ممبر ہیں۔ اس کے پہلے صدر پنڈت جواہر لال نہرو اور پہلے نائب صدر ڈاکٹر رادھا کرشنن تھے۔ پنڈت جی کے انتقال کے بعد ڈاکٹر رادھا کرشنن صدر ہوئے۔ انھوں نے پچھلے مہینے استعفیٰ دے دیا۔ اب ان کی جگہ ڈاکٹر ذاکر حسین صدر اور ڈاکٹر سنیتی کمار چٹرجی نائب صدر منتخب ہوئے ہیں۔ اکاڈمی کی جنرل کونسل کے ممبر پانچ سال کے لیے چنے جاتے ہیں۔ ہر زبان کے خاص خاص ادبی اداروں سے تین تین نام مانگے جاتے ہیں۔ اس فہرست میں سے ہر زبان کا ایک نمائندہ چنا جاتا ہے۔ ہر ریاست سے بھی تین نام مانگے جاتے ہیں، ان میں سے ایک نمائندہ چنا جاتا ہے۔ تین نمائندے یونیورسٹیوں کے بھیجے ہوئے ناموں میں سے لیے جاتے ہیں۔ آٹھ ممبر ادب میں امتیازی درجہ رکھنے کی بنا پر کونسل خود انتخاب کرتی ہے۔ پانچ ممبر حکومت نامزد کرتی ہے۔ دو دو نمائندے سنگیت ناٹک اکاڈمی کے اور للت کلا اکاڈمی کے اور ایک نمائندہ تہذیبی تعلقات کی کونسل کا ہوتا ہے۔ ہر زبان کے لیے ایک مشاورتی بورڈ ہوتا ہے۔ اکاڈمی کے اگزیکیوٹیو بورڈ میں ہر زبان کا ایک نمائندہ ہوتا ہے۔ راقم الحروف گزشتہ دس سال سے اکاڈمی کی کونسل کا اور آٹھ سال سے اگزیکیوٹیو بورڈ کا ممبر ہے اور بارہ سال سے مشاورتی بورڈ کا کنوینر۔ اس لیے اکاڈمی کے کام کے متعلق مجھے کچھ کہنے کا حق پہنچتا ہے۔

اگرچہ حکومت سے قریبی تعلق کی وجہ سے اکاڈمی اتنی آزاد نہیں جتنی ہونی چاہیے تھی اور اس وجہ سے اس کی کتابوں کی اشاعت کی رفتار اور ان کی فروخت بھی سست ہے، مگر مجموعی طور پر یہ ایک مفید ادارہ ہے اور اچھا کام کر رہا ہے۔ اس میں کسی زبان کو کسی دوسری زبان پر فوقیت نہیں ہے۔ سب کے ساتھ برابری کا سلوک ہے۔ اس کے ممبر عام طور پر ملک میں شہرت رکھتے ہیں، گو ریاستوں سے جو نمائندے آتے ہیں ان کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا۔ اس کی وجہ سے ایک زبان کے ادیب دوسری زبان کے ادب سے واقف ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے قریب آتے ہیں۔ یہ اچھے لکھنے والوں کی ہمت افزائی کرتی ہے اور اگرچہ انعام کے لیے کوئی بھی طریقہ بے عیب نہیں ہے، مگر مجموعی طور پر اس کے انعامات علمی و ادبی بنیادوں پر دیے گئے ہیں۔ ہاں کبھی کبھار غلطیاں بھی ہوئی ہیں۔ اس نے بیسویں صدی کے ہندوستانی ادب کی ایک ببلوگرافی تیار کی ہے جس کی دو جلدیں شایع ہو چکی ہیں۔ ہم عصر ہندوستانی ادب، ہندوستانی ادبیات کی تاریخیں، ہندوستان کون کیا ہے؟ ہندوستانی ادب کے معمار، ہندوستانی شاعری، ہندوستانی لوک گیت، مختصر افسانوں کے انتخاب بھی کچھ زبانوں میں شایع ہو چکے ہیں اور باقی میں شایع ہونے والے ہیں۔ کالیداس کی تصانیف کا ایک خاص ایڈیشن بھی تیار ہوا ہے جس کی تین جلدیں شایع ہو چکی ہیں۔ یونیسکو سے بھی اس کا رابطہ ہے اور وہ اس کی کتابوں کی اشاعت کے لیے سہولتیں دیتی ہے۔ اس کا ایک سہ ماہی جرنل انڈین لٹریچر کے نام سے انگریزی میں شایع ہوتا ہے جس میں ہر سال کے ادب کا جائزہ بھی ہوتا ہے۔ ایک رسالہ سنسکرت میں بھی اور ایک خبر نامہ انگریزی میں بھی نکلتا ہے۔ اس نے ٹیگور اور شیکسپیر پر ایک بین الاقوامی سیمینار کیا تھا۔ اس کے سکریٹری کرشنا کرپلانی ایک خوش طبع اور متین آدمی ہیں اور بڑی دلنواز شخصیت رکھتے ہیں۔ ادیبوں کو متحد رکھنا آسان کام نہیں۔ یہ مینڈکوں کو تولنے کے مترادف ہے۔ پھر ہر زبان کا ادیب اپنی زبان کے لیے سب کچھ چاہتا ہے، دوسری زبان کے مفاد کا لحاظ نہیں کر پاتا۔ پرانے لوگ نئے میلانات کو شبہ کی نظر سے دیکھتے ہیں، بعض شہرت یافتہ ادیبوں کو مانتے ہیں۔ نئے لوگ بعض اوقات پرانوں کو خاطر میں نہیں لاتے۔ سب کو ساتھ لے کر چلنا، ایک تسلسل قائم رکھنا اور نئے میلانات کے لیے گنجائش بھی باقی رکھنا آسان کام نہیں۔ جو کرپلانی اس کی کوشش کرتے ہیں مگر بعض اوقات اس میں کامیاب نہیں ہوتے۔

اب کے کسی نہ کسی طرح اردو کے پانچ مصنف اکاڈمی کے ممبر ہیں۔ ڈاکٹر ذاکر حسین تو صدر ہیں۔ ان کے علاوہ پروفیسر مجیب، پروفیسر اختر اورینوی، ڈاکٹر مسعود حسین خاں اور راقم الحروف۔ ہندی کے ادیبوں میں ہزاری پرشاد دویدی، جینیندر، ڈاکٹر رام بلاس شرما، پنجابی کے ادیبوں میں پروفیسر موہن سنگھ اور امرتا پریتم، بنگال کے ادیبوں میں وشنو ڈے، ملیالم کے ادیبوں میں شنکر کروپ، گجراتی کے ادیبوں میں اما شنکر جوشی کے نام قابل ذکر ہیں۔ ۲۶؍ فروری کو اکاڈمی کی چوتھی کونسل کا پہلا جلسہ رابندر بھون میں ہوا جس میں صدر کا انتخاب کیا گیا۔ اس کے بعد ادیبوں کے ایک جلسے میں اس موضوع پر بحث ہوئی کہ ہندوستانی ادب میں ڈراما کی ترقی کی رفتار کیوں سست ہے۔ (باقی)

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ، پرنٹر منیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوایا اور پبلشر نذیر حسین نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شایع کیا